مسلم عورت کے لیے رہنمائی

ڈاکٹر کوثر فردوس ○

مسیحی تہذیب نے عورت کو گناہ کی جڑ گردانا اور تقویٰ و اعلیٰ اخلاق کا تقاضا یہ سمجھا کہ نکاح ہی نہ کیا جائے۔ یہ پابندی ایک مستحسن قدر کے طور پر آج بھی وہاں کے مذہبی پیشوا پادری کے لیے موجود ہے۔ اس راہبانہ تصور کے زیر اثر یورپ اور امریکہ کے لیے جو قوانین بنائے گئے' ان میں عورت کو ادنیٰ حیثیت اور پست مقام دیا گیا۔ جب تہذیب کے مرکز کے دعوے دار معاشرے کی صورت حال یہ تھی تو دنیا کے بیش تر حصوں میں کسی نہ کسی شکل میں عورت کا استحصال جاری رہا۔

ردعمل کے طور پر حقوق نسواں کی ایک تحریک برپا ہوئی' جس کا آغاز اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے حقوق نسواں کمیشن کے قیام ۱۹۴۸ء سے ہوا۔ عالمی کانفرنسوں کا انعقاد' خواتین کا سال اور حقوق نسواں کا عالمی دن منانے کے ساتھ' اہم پیش رفت ۱۹۷۹ء میں سیڈا (CEDAW) کے ذریعے ہوئی۔ جس کے لائحہ عمل کے طور پر ۱۴ نکات طے کیے گئے جنھیں عورت کے لیے ترقی' امن مساوات کے نعرے کے ساتھ عالمی سطح سے پیش کیا گیا۔ آج امریکی' نیو ورلڈ آرڈر' کے تحت اسے مغرب کی تہذیبی بالادستی کے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ بیش تر مسلمان ممالک کی حکومتوں نے اس عالمی معاہدے پر دستخط کیے۔ عالمی مالیاتی اداروں کی امداد بھی کسی حد تک اس ایجنڈے کے نفاذ کے ساتھ مشروط رکھی گئی۔ باقاعدگی سے منعقد ہونے والے جائزہ اجلاسوں نے ان اہداف کے حصول میں مدد کی۔ عالمی میڈیا اور انٹرنیٹ اس تحریک کے لیے معاون ثابت ہوئے۔ خود

○ قیمہ' حلقہ خواتین' جماعت اسلامی پاکستان اور ممبر' سینیٹ آف پاکستان [راولپنڈی]

مغربی تصورات کے تحت رونما ہونے والی نام نہاد 'عالم گیریت' نے ساری دنیا کی عورتوں کو غیر محسوس طور پر اس کا ممبر بنا دیا۔ انھوں نے اپنے ساتھ روا رکھنے جانے والے رویوں اور پیش آنے والے واقعات کو مغرب کے پیش کردہ تناظر میں دیکھنا شروع کیا۔ اسی تسلسل میں دنیا کے بیش تر ممالک میں عورت کے حقوق کی علم برداراین جی اوز اس ایجنڈے کے لیے دنیا بھر میں سرگرم عمل ہیں۔

مولانا مودودیؒ نے مسلم عورت کو عصر حاضر کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے جو رہنمائی عطا فرمائی ہے، اسے انھی کی تحریروں سے منتخب کردہ نکات کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے:

''یہ نظریات جن پر نئی مغربی معاشرت اور (حقوق نسواں کی عالمی تحریک) کی بنیاد رکھی گئی ہے، تین عنوانوں کے تحت آتے ہیں:

- عورت اور مردوں کی مساوات، • عورتوں کا معاشی استقلال، • دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط

مساوات کے معنی یہ سمجھ لیے گئے کہ عورت اور مرد نہ صرف اخلاقی مرتبے اور انسانی حقوق میں مساوی ہوں، بلکہ تمدنی زندگی میں بھی عورت وہی کام کرے جو مرد کرتے ہیں۔ معاشی، سیاسی اور اجتماعی سرگرمیوں، انتخابی جدوجہد، دفتروں اور کارخانوں میں ملازمت، آزاد تجارتی و صنعتی پیشوں میں مردوں سے مقابلہ، سوسائٹی کے تفریحی مشاغل میں شرکت، یا اور بہت سی ناکردنی وناگفتنی مصروفیات۔

عورت کے معاشی استقلال، یعنی خود کمانے نے اسے مرد کی معاونت سے بے نیاز کر دیا، اور اصول یہ بنا کہ عورت اور مرد دونوں کمائیں اور گھر کا انتظام بازار کے سپرد کر دیا جائے۔

مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط نے عورتوں میں حسن کی نمایش، عریانی اور صنفی خواہش کو غیر معمولی ترقی دے دی۔ اس قسم کی مخلوط سوسائٹی میں فطری طور پر دونوں صنفوں کے اندر یہ جذبہ ابھرآتا ہے کہ صنفِ مقابل کے لیے زیادہ سے زیادہ جاذبِ نظر بنیں، لہٰذا ہوش سنبھالتے ہی انھی خواہشات کا دیوان کو دبوچ لیتا ہے۔

ہمارے اہل حل وعقد نے جب مرعوبیت سے مسحور آنکھوں کے ساتھ فرنگی عورتوں کی زینت، آرایش اور ان کی آزادانہ نقل وحرکت اور سرگرمیوں کو دیکھا تو ان کے دلوں میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش! ہماری عورتیں بھی اس روش پہ چلیں، تاکہ ہمارا تمدن بھی فرنگی کا ہمسر ہو جائے۔ پھر وہ آزادی

نسواں' اور تعلیم اناث اور مساوات مرد وزن کے ان جدید نظریات سے بھی متاثر ہوئے' جو طاقت ور استدلالی زبان اور شان دار طباعت کے ساتھ بارش کی طرح مسلسل ان پر برس رہے تھے۔ اس لٹریچر کی زبردست طاقت نے ان کی قوت تنقید کو ماؤف کر دیا اور ان کے وجدان میں یہ بات اتر گئی کہ ان نظریات پر ایمان بالغیب لانا اور تحریر و تقریر میں ان کی وکالت کرنا (بقدر جرات و ہمت) عملی زندگی میں بھی ان کو رائج کر دینا' ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے جو ''روشن خیال'' کہلانا پسند کرتا ہو اور ''دقیانوسیت'' کے بدترین الزام سے بچنا چاہتا ہو''۔

پاکستان اور دیگر مسلم ممالک میں ان نظریات کا پرچار کرنے والے گروہ' سیڈا پر عمل درآمد کے لیے قائم کیے گئے حکومتی ادارے' ویمن ڈویژن' اور این جی اوز اس کے نفاذ کے لیے سرگرم عمل ہوئیں تو دینی و نظریاتی اقدار رکھنے والوں نے اس پروگرام اور لائحہ عمل کی جزئیات کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کیا۔ اس جائزے سے تو درج ذیل صورت احوال سامنے آئی:

۱- معاشرتی مسائل جو اکثر مسلم معاشرے میں رواج پا چکے ہیں' گو اسلام سے ان کا کوئی واسطہ نہیں' ان کو ایک خاص انداز سے اجاگر کیا جا رہا ہے۔ ان میں سے بیش تر سے انکار ممکن نہیں کہ یہ ہمارے معاشرے میں موجود ہیں' تاہم ان کی شدت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں قرآن سے شادی' کاروکاری' گھروں میں عورتوں کی بے جا مار پیٹ' مٹی کے تیل کے چولہوں کے پھٹنے کے واقعات میں عموماً عورتوں کا زخمی ہونا وغیرہ شامل ہیں۔

۲- دوسرے وہ نکات جن کی زد براہ راست اسلام کے قوانین پر پڑتی ہے۔ مثلاً وراثت' گواہی اور دیت میں نصف مقدار کی بنا پر ''آدھی عورت'' کہا گیا۔ عورت کے لیے حجاب و ستر کی حدود' چار شادیوں کی اجازت' پسند کی شادی' حدود قوانین' آئین پاکستان سے قرارداد مقاصد اور اسلامی نظریاتی کونسل کے خاتمے وغیرہ کا غلغلہ۔

۳- تیسرا حصہ' براہ راست تو نہیں مگر بالواسطہ اسلامی اقدار اور نظریاتی اساس کو متاثر کرنے والا ہے۔ عورتوں کی بیرون خانہ سرگرمیوں کے لیے چلائی جانے والی تحریک' ملازمتوں کا کوٹہ' ۳۳ فی صد سیاسی نمایندگی' ہر میدان میں مخلوط ملازمت' وغیرہ کا عنوان یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ مرکزی دھارے میں شامل کیا جائے' کیونکہ عورت کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک کی نفی

کے لیے یہ اقدامات ضروری ہیں۔

اس صورت حال کے مقابلے میں مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ اسلام عورت کے حقوق کے تعین میں تین باتوں کو خاص طور پر ملحوظ رکھتا ہے:

- ایک یہ کہ مرد کو جو حاکمانہ اختیارات محض خاندان کے نظم کی خاطر دیے گئے ہیں ان کا ناجائز فائدہ اٹھا کر وہ ظلم نہ کر سکے اور ایسا نہ ہو کہ تابع و متبوع کا تعلق لونڈی اور آقا کا تعلق بن جائے۔
- دوسرے یہ کہ عورت کو ایسے تمام مواقع بہم پہنچائے جائیں، جن سے فائدہ اٹھا کر وہ نظام معاشرت کی حدود میں اپنی فطری صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے سکے اور تعمیر تمدن میں اپنے حصے کا کام بہتر سے بہتر انجام دے سکے۔
- تیسرے یہ کہ عورت کے لیے ترقی اور کامیابی کے بلند سے بلند درجوں تک پہنچنا ممکن ہو، مگر ان کی ترقی و کامیابی جو کچھ بھی ہو عورت ہونے کی حیثیت سے ہو۔ مرد بننا نہ تو اس کا حق ہے، نہ مردانہ زندگی کے لیے اس کو تیار کرنا اس کے اور تمدن کے لیے مفید ہے، اور نہ مردانہ زندگی میں وہ کامیاب ہو سکتی ہے۔

مذکورہ بالا تینوں امور کی پوری پوری رعایت ملحوظ رکھ کر اسلام نے عورت کو وسیع تمدنی و معاشی حقوق دیے ہیں، اور عزت و شرف کے جو بلند مراتب عطا کیے ہیں اور ان حقوق و مراتب کی حفاظت کے لیے اخلاقی و قانونی ہدایات میں جیسی پائے دار ضمانتیں مہیا کیں ہیں، ان کی نظیر دنیا کی کسی قدیم و جدید معاشرت میں نہیں ملتی۔

○ **معاشی حقوق:** اسلام عورت کو وراثت کے نہایت وسیع حقوق دیتا ہے۔ باپ سے، شوہر سے اور قریبی رشتہ داروں سے اس کو وراثت ملتی ہے، نیز شوہر سے اس کو مہر بھی ملتا ہے۔ مزید برآں اگر وہ کسی تجارت میں روپیہ لگا کر یا خود محنت کر کے کچھ کمائے تو اس کی مالک وہی ہے۔ ان تمام ذرائع سے جو مال اس کو پہنچتا ہے اس کی ملکیت اور تصرف کے پورے حقوق اسے دیے گئے ہیں، جس میں مداخلت کا اختیار نہ اس کے باپ کو حاصل ہے نہ شوہر کو اور نہ کسی اور کو۔ ان سب کے باوجود اس کے نفقہ کی ذمہ داری ہر حال میں اس کے شوہر پر واجب ہے۔ بیوی خواہ کتنی ہی مال دار ہو، اس کا شوہر

اس کے نفقے سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ اس طرح اسلام نے عورت کی معاشی حیثیت کو مستحکم کیا۔

تمدنی حقوق: شوہر کے انتخاب کا عورت کو پورا پورا حق دیا گیا ہے۔ ایک ناپسندیدہ یا ظالم یا ناکارہ شوہر کے مقابلے میں عورت کو خلع اور فسخ و تفریق کے وسیع حقوق دیے گئے ہیں۔ شوہر کو بیوی سے حسن سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کی ہدایت کی گئی ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء ۴:۱۹)، یعنی عورت کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تم میں اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ لطف و مہربانی کا سلوک کرنے والے ہیں''۔

بیوہ اور مطلقہ کو نکاح ثانی کا غیر مشروط حق دیا گیا ہے، جو آج تک یورپ و امریکہ کے بیش تر ممالک میں نہیں ملا۔

مرد و عورت کے درمیان امتیاز کے خاتمے کے لیے جان، مال اور عزت کے تحفظ میں اسلامی قانون عورت اور مرد کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں برتتا۔

عورتوں کی تعلیم، عورتوں کو دینی اور دنیوی علوم سیکھنے کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ اسے ضروری قرار دیا گیا۔

قرآن پاک میں واضح کر دیا گیا: ''اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرّہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی''۔ (النساء ۴::۱۲۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باطنی اصلاح پر ہی اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ قانون کے ذریعے عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور مردوں کے ظلم کی روک تھام کا انتظام بھی کیا۔ اور عورتوں میں اتنی بیداری پیدا کی کہ وہ اپنے جائز حقوق کو سمجھیں اور ان کی حفاظت کے لیے قانون سے مدد لیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے، ہم اپنی عورتوں سے بات کرنے میں احتیاط کرتے تھے کہ مبادا ہمارے حق میں کوئی حکم نازل ہو جائے، اور جب حضور اکرمؐ نے وفات پائی تب ہم نے کھل کر بات کرنا شروع کی۔ (الجامع الصحیح)

خاندان کا نظام عورت اور مرد کے اس مستقل اور پائے دار تعلق سے بنتا ہے جس کا نام نکاح

ہے۔ یہی چیز ان کی انفرادیت کو اجتماعیت میں تبدیل کرتی ہے اور صنفی انتشار کے میلانات کو تمدن کا خادم بناتی ہے۔ اسی نظام کے دائرے میں محبت وایثار کی وہ فضا پیدا ہوتی ہے' جس میں نئی نسلیں صحیح تربیت کے ساتھ پروان چڑھتی ہیں۔ اسی تصورنکاح کے ساتھ ازواج کی ذمہ داریوں' ان کے حقوق و فرائض اور ان کے اخلاقی انضباط کا بوجھ سہارا جاسکتا ہے''۔

خاندان کے اس دائرے میں' دائرہ کار کی تقسیم کرتے ہوئے معاشی ذمہ داری مرد پر ڈالی گئی۔ اس کو قوام ومنتظم قرار دیا(provider & sustainer)' اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ ط (النساء ۴:۳۴)''مرد عورتوں پر قوام ہیں' اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے' اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں''۔ جب کہ عورت کو فرماں برداری' شکرگزاری اور اپنی عفت وشوہر کے مال کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اولاد کی پیدایش و پرورش عورت کا وظیفۂ زندگی قرار دیا گیا۔ اولاد کے لیے''ضعف پر ضعف اٹھایا'' کہہ کر عورت کی وکالت کی' سعی ہاجرہ کو مردوں کے لیے بھی حج وعمرے کا لازمی رکن قرار دے کر اس اہم ذمہ داری کو تسلیم کروایا۔ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ ط (البقرہ ۲:۱۸۷) ''وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو'' کہہ کر ایک دوسرے کے لیے حفاظت' زینت اور ستر پوشی کا ذریعہ قرار دیا۔

اسلام کی تعلیمات تو یہ تھیں مگر اسلامی معاشرے میں رواج پانے والے بہت سے رویے اور معاملات اسلام کی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ وراثت میں استحقاق رکھنے کے باوجود' وراثت سے محروم کرنے کے لیے نہایت قبیح رسوم کو اپنانا' مہر کا خوش دلی کے ساتھ' پوری طرح ادا نہ کرنا' یہ ظلم تو خود دین کی سمجھ رکھنے والوں میں بھی عام ہے۔ شادی کے موقع پر ۳۲ روپے غیر شرعی مہر مقرر کرنے کی حکایت کا وجود' یا پھر زیادہ رقم مقرر کر دینا' مگر ادا نہ کرنا' یا مختلف حیلے بہانے سے بیوی کو مجبور کر کے معاف کرالینا اور اس فعل کی حرمت کے بارے میں لاپروائی برتنا' ہمارے آج کے مسلم معاشرے میں معیوب نہیں ہے۔ نان نفقہ' یعنی کھانا' لباس اور رہایش کے خاطر خواہ انتظام سے بے نیازی وعدم دل چسپی' شادی میں لڑکی کی مرضی معلوم کرنے کو غیر اہم جاننا' ناپسندیدہ شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنے تک کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ بیوی کی تفریح ودلجوئی واحسان کے معاملے کا نہ ہونا' بیوی کی ملکیت

تسلیم نہ کرنا، خاندانی اکائی کو گھن کی طرح کھا رہا ہے۔ دیگر غیر اسلامی رسمیں جن میں جہیز، سورا، ونی، قرآن سے شادی، کاروکاری اور عورت کے گھر والوں سے معاشی مطالبات وغیرہ بھی مروج ہیں۔

معاشرے میں نئی تبدیلیاں بھی واضح ہیں۔ عورت کی ملازمت ایک حق اور رواج بنتا جا رہا ہے۔ بچوں کو ڈے کیئر سنٹر بھجوانا، خاندانی منصوبہ بندی کا عام ہونا اور اپنا معیار زندگی بلند کرنے کی تگ و دو کے لیے اس کی وکالت۔ اس کے ساتھ زوجین کی باہم ناراضیاں، خلع کی شرح میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ، مردوں کے ساتھ اختلاط کے لیے پہلے کی سی کراہت کا نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یوں خاندانی اکائی کا استحکام متاثر ہو رہا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں: ''ضرورت اس امر کی تھی کہ مرد کے ساتھ عورت کے تعاون کی ایسی سبیل مقرر کر دی جائے کہ دونوں کا اشتراک عمل ہر حیثیت سے تمدن کے لیے صحت بخش ہو۔ اس نقطۂ عدل کو دنیا صدہا برس سے تلاش کرتی رہی، مگر آج تک نہیں پا سکی، کبھی ایک انتہا کی طرف جاتی ہے تو پورے نصف حصے کو بیکار بنا کر رکھ دیتی ہے۔ کبھی دوسری انتہا کی طرف جاتی ہے، اور انسانیت کے دونوں حصوں کو ملا کر غرق مے ناب کر دیتی ہے۔ افراط و تفریط کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے والی دنیا کو اگر عدل کا راستہ دکھانے والا کوئی ہو سکتا تھا تو وہ صرف مسلمان تھا جس کے پاس اجتماعی زندگی کی ساری گتھیوں کے صحیح حل موجود ہیں، مگر دنیا کی بدنصیبی کا یہ بھی دردناک پہلو ہے کہ دوسروں کو راستہ دکھانا تو درکنار وہ خود اندھوں کی طرح ہر بھٹکنے والے کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے''۔

لہٰذا ہر مسلمان عورت کو ایک بنیادی فیصلہ کرنا چاہیے: کیا آپ کو مغربی معاشرت اور اس کے زیر اثر پروان چڑھنے والی حقوق نسواں کی عالمی تحریک کا حصہ بننا ہے یا مسلمان معاشرے میں اسلام کے عطا کردہ حقوق کے حصول کے لیے معاون بننا ہے یا معاون نہیں بننا۔

اگر ایک ایسے صالح اور پاکیزہ تمدن کی ضرورت ہے، اور اگر ہم اسلام کے محکم اور آزمودہ نظام معاشرت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو ہمیں اسلام کا راستہ اختیار کرنا چاہیے، اس کے ضابطے اور اس کے ڈسپلن کی پوری پوری پابندی کرنی چاہیے۔ ہمیں ان نظریات، تخیلات سے بھی اپنے دماغ کو خالی کرنا ہوگا جو مغرب سے مستعار لے رکھے ہیں۔ اسی طرح اسلام کو غیر اسلامی تصورات سے مسخ کرنے سے لازماً باز آنا ہوگا۔ یہ عملی تصور ہی اسلام کی

اشاعت وتعارف کا ناقابل تردید ثبوت ہوگا۔ اس کے لیے درج ذیل طریق اختیار کیے جاسکتے ہیں:

- عورتوں کو اسلام میں عورت کے مقام و مرتبے' حقوق و فرائض سے آگاہ کرایا جائے۔ مغرب کے تقابل کے ذریعے' اس نظام کی برکتوں پر مطمئن اور قانع بنایا جائے۔ اس کے لیے درس قرآن کے رہایشی حلقوں میں چھوٹے گروپوں میں سلسلہ وار پروگرامات ہوں۔
- سیمینار' مذاکرے' گفتگو کے فورم کا انعقاد برائے خواتین کیا جائے جس میں تعلیم یافتہ طبقے کو آگاہی دی جائے اور خدشات دور کیے جائیں۔
- اسلام میں دیے گئے حقوق دلوانے کے لیے ایک فعال تحریک چلائی جائے' واضح اہداف حاصل کیے جائیں' اور ملکی و عالمی سطح پر خواتین کو اس تحریک کا ہم نوا اور ممبر بنایا جائے۔
- یہ کام بنیادی طور پر خواتین کے اسلام پسند گروہوں و تنظیموں کا ہے۔ اس کا دوسرا اور اہم حصہ مردوں کے تعاون پر منحصر ہے۔
- مردوں کو اسلام میں عورت کے مقام و مرتبے اور حقوق و فرائض سے قرآن و حدیث' اسوہ رسولؐ کی روشنی میں آگاہی دیے جانے کا معقول مؤثر و باقاعدہ انتظام کیا جائے۔
- گھر میں بیوی اور بیٹی کے ساتھ اور بیرون خانہ عورتوں کے ساتھ تحقیر آمیز رویے کے بجاے برداشت اور اعلیٰ ظرفی کی اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد کروایا جائے۔
- حقوق نسواں کی عالمی تحریک کے فکری' تہذیبی' دینی اور معاشرتی مضمرات سے آگاہ کیا جائے۔
- ہر ماہ ایک دن (پہلا جمعہ یا اتوار) اہل خانہ کے ساتھ گزارنے اور ان کی ضروریات کی فراہمی کے لیے مختص کرنے کا سوچا جائے۔

اسلامی معاشرے کو بگاڑ سے بچانے کے لیے' عورت اور مرد دونوں کو اپنا اپنا کردار ادا کرنا ہو گا' وگرنہ یہ بگاڑ مسلمان عورت کو ہی نہیں مرد کو بھی متاثر کرے گا۔ اس کے بالمقابل یہ کسی ایک مسلمان عورت کے لیے ہی نہیں' دنیا بھر کی عورتوں کے لیے ایک نمونہ و پناہ ہوگا۔ دین کی قدروں کا عملی ابلاغ ہی تشہیر واشاعت دین کا بہترین ذریعہ ہے۔ (ماخوذ: پردہ' حقوق الزوجین' مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)